© rasailojaraid.com

پاکستان میں بین الاقوامی سیرت کانفرنس
اور
میرے مشاہدات و تاثرات

(۳)

(سعید احمد اکبر آبادی)

ایران کے شاہ اور شاہ بانو پاکستان آرہے تھے، اس لئے مولانا کوثر نیازی اس ڈنر کے بعد اسلام آباد چلے گئے اور کانفرنس کے لاہور سشن سے غائب رہے۔

مولانا ظفر احمد انصاری یہاں مولانا ظفر احمد صاحب انصاری سے بھی ملاقات ہوئی، موصوف آج کل پاکستان نیشنل اسمبلی کے ممبر اور سیرت کمیٹی کے رکن ہیں، اسی وجہ سے وہ کانفرنس کے ساتھ چل رہے تھے، ان کے فرزند ارجمند ڈاکٹر مظفر اسحٰق انصاری، میرے قیام کینیڈا کے زمانہ کے شاگرد ہیں، اُن کی محبت، اخلاص، دینداری اور اعلیٰ قابلیت ولیاقت کے باعث اُن سے عزیزانہ تعلقات ہیں، میکگل یونیورسٹی سے ڈاکٹر ہونے کے بعد کچھ عرصہ امریکہ میں رہے۔ اب آج کل سعودی عرب کے ایک پٹرولیم انجنیر کالج میں پروفیسر ہیں، مولانا ظفر احمد انصاری پاکستان کی ایک مشہور شخصیت ہیں، مکہ مکرمہ کے رابطۃ العالم الاسلامی اور جنیوا کے اسلامک سنیٹر کے رکن ہیں ان سے سب سے پہلی ملاقات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عجب ڈرامائی انداز میں ۶۶ء میں حجاز مقدس میں ہوئی تھی، میں اس سال گورنمنٹ آف انڈیا کے حج ڈیلیگیشن میں گیا تھا۔ عرفات اور مزدلفہ سے فارغ ہوکر منا میں ہندوستانی سفارت خانہ کا مہمان تھا، ایک روز مغرب کے بعد مرحمت کامل صاحب قدوائی سفیر ہند میرے کمرہ میں آئے تو مولانا اُن کے ساتھ تھے۔ چند ماہ پیشتر ہندوستان پاکستان کی جنگ اگرچہ ختم ہوگئی تھی لیکن تناؤ اب تک تھا، اس لئے قدوائی صاحب نے جب مولانا کا تعارف کرایا تو مجھے مسرت آمیز تعجب ہوا، مولانا اس کو تاڑ گئے اور یوں گویا ہوئے :۔ میں ابھی منا کے بازار میں سے گذر رہا تھا کہ قدوائی صاحب مل گئے، انھوں نے علیک سلیک کے بعد اس وقت شرکت طعام کی دعوت دی، میں نے جواب دیا : آخر میں آپ کے ہاں کھانا کیوں کھاؤں؟! قدوائی صاحب بڑے ڈپلومیٹ تھے، انھوں نے کہا : ہمارے ہاں ہندوستان کے چند مشہور حضرات ٹھہرے ہوئے ہیں، ممکن ہے اُن میں کوئی صاحب آپ کی دلچسپی کے بھی ہوں۔ میں نے پوچھا : مثلاً ! " قدوائی صاحب بولے : مثلاً سعید احمد اکبر آبادی" میں نے یہ نام سنا تو فوراً بولا : بہت بہتر! اب میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا " اب مولانا نے فرمایا : میں آپ سے ایک عرصہ سے واقف ہوں، ظفر اسحٰق سے بارہا ذکر آیا، برہان میں اور دوسرے اخبارات ورسائل میں پڑھا۔ مگر جب سے آپ کی کتاب صدیق اکبر پڑھی ہے۔ آپ سے بڑی محبت ہوگئی ہے، اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہونا ضروری ہے " مولانا اور اُن کے فرزند دونوں انگریزی زبان کے بھی بڑے ماہر اور ادیب ہیں، میں نے عرض کیا : " تو پھر آپ ہی ترجمہ کیجئے، میں اجازت دیتا ہوں "

اب اتنے برسوں کے بعد دوبارہ ملاقات ہوئی اور صدیق اکبر کا پھر ذکر آیا اور دوسری باتیں بھی ہوئیں تو بڑی خوشی ہوئی۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ مولانا ضعیف بہت ہوگئے ہیں لکڑی کے سہارے چلتے ہیں، باتیں کم کرتے ہیں، کانفرنس کے دوران برابر ملاقاتیں رہیں اور میں ان کی عنایات والطاف سے متمتع ہوتا رہا۔ علم وفضل، تعلیم جدید اور ساتھ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینداری کے اعتبار سے مولانا اور اُن کا گھرانہ "این خانہ ہمہ آفتاب ست" کا مصداق ہے، کثر اللّٰہ اَمثالھُم۔

مقالات کی نشست | دوسرے دن یعنی ۶ مارچ سے مقالات کی نشست شروع ہوئی، کانفرنس کا پروگرام یہ رہنا تھا کہ صبح نو سے، ساڑھے دس بجے تک، اس کے بعد آدھے گھنٹہ کا وقفہ چائے کافی وغیرہ کے لئے پھر گیارہ سے ڈیڑھ بجے تک، بس مقالات کا وقت یہی تھا، اس کے بعد لنچ، استقبالیہ، رڈنر کا پروگرام رہتا تھا، لنچ اور ڈنر پر کم مگر استقبالیہ کے موقع پر متعدد تقریریں ادھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہوتی تھیں، مقالات کی نشست کا آغاز تلاوت کلام مجید کے بعد حکیم محمد سعید صاحب کی مختصر تقریر سے ہوتا تھا جس میں وہ تحریک صدارت کرتے اور مقالات کا تعارف کراتے تھے، کانفرنس کی زبان چونکہ عربی اور انگریزی دونوں تھیں اس لئے صدر بجائے ایک کے بیک وقت دو ہوتے تھے، آج کے ابتدائی اجلاس کے صدر رانا اقبال احمد وزیر اوقاف، پنجاب اور ڈاکٹر یوسف ہاشم الرفاعی تھے۔ اس نشست میں متعدد مقالات پڑھے گئے، لیکن سب سے اہم مقالہ پروفیسر واٹ منٹگمری کا تھا جس کا عنوان تھا "دنیا کے سیکولر مورخین اور مقدس پیغمبر اسلام۔

پروفیسر واٹ منٹگمری | اس مقالہ میں پروفیسر موصوف نے اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا کہ صلیبی جنگوں کے اثرات کے باعث سب سے پہلے مغرب میں ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارہ میں سخت معاندانہ کتابیں لکھیں اور اُن میں حقائق و واقعات کو توڑ مروڑ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق نہایت مکروہ ہرزہ سرائی کی صلیبی جنگوں کے باعث مغرب کا بچہ بچہ مسلمانوں کے خلاف جذبۂ انتقام سے لبریز تھا اس لئے ان مصنفوں کی کتابیں گھر گھر پھیل گئیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیغمبر اسلام اور اُن کے مذہب کے متعلق یورپ کا ایک خاص ذہن بن گیا، ان کتابوں کے اثرات اس درجہ عمیق، دور رس اور ہمہ گیر تھے کہ اس دور کے بعد جب سائنٹیفک اصول پر تاریخ نگاری کا عہد آیا تو اس عہد میں جن مغربی مصنفین نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیغمبرِ اسلام پر کتابیں لکھیں اور اُن میں تاریخ نگاری کے سائنٹفک اصول کی رعایت کا دعویٰ کیا وہ بھی دورِ اول کی متعصبانہ کتابوں کے اثرات سے بالکل محفوظ نہیں رہ سکے۔

پروفیسر واٹ منٹگمری نے کہا: قرونِ وسطیٰ میں اسلام نے جو عظیم الشان مادی اور تہذیبی کامیابی حاصل کی تھی اُس نے اُس عہد کے مغربی علماء میں ایک نفسیاتی ردِ عمل یہ پیدا کیا کہ انھوں نے اپنے مذہب اور اُس کی روحانیت کی فوقیت و برتری کا اور اُس کے بالمقابل اسلام کی کمتری اور اُس کی منقصت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا، انھوں نے کہا کہ "مسیحیت ایک روحانی مذہب ہے اور اسلام تلوار کا مذہب"!

انھوں نے مزید کہا: بہر حال اب یورپ میں اسلام اور اُس کے پیغمبر کو اُن کے صحیح اور اصلی رنگ میں دیکھنے اور اب تک ان دونوں کے ساتھ مسلسل ناانصافیاں ہوتی رہی ہیں اُن کی تلافی کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے جو برابر ترقی کر رہا ہے، اِس سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ آج اخلاقی اور تہذیبی سطح پر دنیا کو جو عظیم خطرہ درپیش ہے اُس کا کامیاب مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو قومیں خدا پر ایمان رکھتی ہیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ افہام و تفہیم کی راہ و رسم پیدا کریں، اگر مسلمانوں اور دوسری خدا پرست قوموں میں یہ ربط پیدا ہو گیا تو یقیناً اس سے مقدس پیغمبرِ اسلام کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے میں یورپ کو مدد ملے گی۔

واٹ منٹگمری صاحب کا پورا مقالہ سب نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنا، جب مقالہ ختم ہوا تو ایک نوجوان جو پچھلی صف میں بیٹھے تھے فوراً جوش میں اُٹھے اور بولے: "منٹگمری صاحب! معاف کیجئے! کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ جب ہمارے حضور کے متعلق آپ کے خیالات اتنے اچھے ہیں تو آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے" اس پر اس زور کا قہقہہ لگا کہ پورا ہال گونج اُٹھا۔ اسی عالم میں منٹگمری صاحب نے بھی قہقہہ لگاتے ہوئے جواب میں ایک آدھ فقرہ کہا مگر وہ میرے پلے نہیں پڑا۔ میرے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو عرب بیٹھے ہوئے تھے وہ انگریزی سے بالکل ناآشنا تھے، اس لئے اُن سے پوچھنا بیکار تھا۔
شیخ رفاعی جو مقالہ کے نوٹ لیتے رہے تھے انھوں نے اس کا عربی ترجمہ کیا تھا اس کے بعد ڈاکٹر محمد عبدالرؤف (واشنگٹن) نے اس مقالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: مغربی مصنفین نے مقدس پیغمبرِ اسلام کے متعلق یہ ایک عام اور غلط تاثر پیدا کیا ہے کہ عیسائی اور یہودی جماعتیں جو اس زمانے میں مکہ اور مدینہ میں رہ رہی تھیں پیغمبرِ اسلام نے اپنے بہت سے افکار و خیالات ان سے مستعار لے لئے ہیں۔ مغربی مصنفین کو اپنے اس طرز فکر کی اصلاح کرنی چاہئے۔ پروفیسر منٹگمری نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں کو تاریخ نگاری میں سائنٹفک طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے، اس کے جواب میں ڈاکٹر عبدالرؤف نے کہا کہ امام بخاری نے احادیث کا انتخاب سائنٹفک اصول پر ہی کیا ہے، آخر میں انھوں نے یہ امید ظاہر کی کہ یورپ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق غلط اور بیہودہ باتیں جو یورپین مصنفوں نے پھیلا رکھی تھیں اُن کو درست کرنے کا جو رجحان اب پیدا ہوا ہے اور ترقی کر رہا ہے اُس کی بنیاد خلوص نیت اور نیک ارادوں پر ہوگی۔

شیخ رفاعی کا فی وقفہ کے بعد کانفرنس کی کارروائی مسٹر مولود قاسم وزیر امور اسلامیہ، الجزائر، اور جسٹس حمود الرحمٰن پاکستان کی مشترکہ صدارت میں شروع ہوئی تو سب سے پہلے شیخ یوسف ہاشم الرفاعی نے "اسلام واحد ذریعہ امن ہے" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔ آج کل یہ عنوان بیش پا افتادہ ہے۔ جس کو دیکھئے اس پر طبع آزمائی کر رہا ہے چنانچہ اس کانفرنس میں خود اسی موضوع پر چھ سات مقالات سے کم نہیں پڑھے گئے ہوں گے۔ خود میں بھی اسی موضوع پر انگریزی میں ایک مقالہ بصورت لکچر ۱۹۶۱ء میں مدراس میں پڑھ چکا ہوں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں جب تک مندرجہ ذیل دو باتوں کا وافی و شافی جواب نہ ملے اس مضمون کا حق ادا نہیں ہوتا۔

(۱)۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ جب اسلام کے پیرو اور اس کے ماننے والے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی امن سے نہیں رہ سکے، مسلمانوں کی پوری تاریخ خانہ جنگیوں اور طوائف الملوکی کی تاریخ ہے، بھائی نے بھائی کی گردن کاٹی ہے۔ بھتیجے نے چچا کے ساتھ فوج کشی کی ہے، ایک خاندان دوسرے خاندان سے معرکہ آرا ہوا ہے۔ اور اب تک جو ہوتا رہا ہے وہ آج بھی ہو رہا ہے۔ پس جب اندرونِ خانہ ہی امن نہیں تو اسلام دنیا میں کس طرح امن کی ضمانت ہو سکتا ہے؟ اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اسی وقت برگ و بار پیدا کر سکتی ہیں جب کہ پہلے تزکیۂ نفس ہو۔ اور تزکیۂ نفس کی سب سے مقدم اور بنیادی شرط ہے حقیقی معنی میں ایمان باللہ اور ایمان بیوم الآخرۃ، اس لئے یہ دعویٰ کرنے سے پہلے کہ اسلام دنیا میں امن کا ضامن ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھروں میں، خاندانوں میں اور اپنے ملکوں میں اس کا عملی نمونہ قائم کریں، یعنی امن جن اسباب سے تباہ ہوتا ہے، مثلاً خود غرضی، بے قید زندگی، طبقاتیت، معاشی عدم مساوات، استحصال بالجبر، غربت و افلاس، افراطِ زر، اخلاقی مسئولیت کی طرف سے بے پروائی، وغیرہ وغیرہ! جب تک مسلمان مملکتیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان سب دواعی نقصِ امن کا استیصال اپنے ہاں سے نہیں کر دیں گی۔ انھیں اس قسم کے دعوے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ورنہ دنیا کہہ سکتی ہے :۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

کانفرنس میں ایک عرب ملک کے نمائندے نے کہا کہ آج نظریوں کی جنگ کا زمانہ ہے میں نے اُن سے کہا: آپ غلط کہتے ہیں، آج زمانہ یہ دیکھنے کا ہے کہ کونسا نظریہ عملاً سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ اس لئے اب اسلام کی حقانیت پر کتابوں کا انبار لگانے کے بجائے آپ اپنے ملک میں اسلام کو اس کے ہمہ جہتی نظام کے ساتھ عملاً قائم کر دکھائیے تو وہ دنیا کے لئے ایک موثر دعوتِ امن ہوگا۔ ورنہ آپ قرآنِ مجید کی وعید کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ جب تک اس امر کی مکمل وضاحت نہیں ہوتی کہ اسلامی سماج میں غیر مسلموں کی پوزیشن اور ان کی حیثیت کیا ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علائق و روابط اور سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی امور و معاملات میں ان کے اشتراک و تعاون کی شرعی طور پر کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں، اسلام کو دنیا میں امن کی ضمانت نہیں کہا جاسکتا۔

شیخ رفاعی نے اپنے مقالہ میں اس دوسرے پہلو پر بھی بحث کی تھی۔ لیکن اس سلسلے میں انھوں نے جو کچھ کہا تھا وہ میرے نزدیک ناقص اور ناتمام تھا۔ اس بنا پر ان کے مقالہ کے بعد فوراً میں کھڑا ہوگیا اور جناب صدر کی اجازت سے تقریر شروع کردی۔ ابھی تقریر جاری ہی تھی کہ شیخ رفاعی نے کہا: یہ آپ نے کیا بحث چھیڑ دی۔ ان مسائل پر گفتگو کا یہ کونسا موقع ہے جناب صدر نے بھی ان کی تائید کی اس لئے میں تقریر کو ناتمام چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر بھی جو کچھ میں نے کہا تھا دوسرے دن سب اخبارات نے اسے نقل کیا۔ اور ٹیلی وژن اور ریڈیو پر بھی اس کا ذکر آیا۔ دوسرے دن کانفرنس میں حکیم محمد سعید صاحب اور بعض اور اہلِ علم نے کہا: آپ نے بہت اہم اور ضروری پوائنٹس پر گفتگو شروع کی تھی افسوس ہے کہ آپ تقریر پوری نہیں کرسکے۔ میں نے کہا شیخ رفاعی اور جناب صدر کو یہ شبہہ ہوا کہ بحث کا رُخ سیاسی ہوجائے گا۔ حالانکہ میں خالص علمی نقطۂ نظر سے بعض گوشوں کی وضاحت کرنا چاہتا تھا۔

یہاں یہ جتادینا بے محل نہ ہوگا کہ شیخ رفاعی کی لیاقت و قابلیت اور ان کی دینداری میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ اپنے افکار وخیالات میں بے حد قدامت پرست اور ان کے اظہار میں بڑے بے باک ہیں اور غیر مسلموں کے بارے میں ان کا رویہ صلح جویانہ اور رواداردانہ نہیں ہے۔ چنانچہ گذشتہ سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہِ نومبر میں بہت سے عرب حضرات جن میں شیخ ازہر بھی تھے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے جشن سے فارغ ہو کر دہلی آئے اور حکیم عبدالحمید صاحب نے اپنے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز، نئی دہلی کی طرف سے ان سب حضرات کو عصرانہ واستقبالیہ دیا تو شیخ رفاعی جو اس وقت موجود تھے وہ محض اتنی ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھے کہ انسٹیٹیوٹ کا نام اسلامک ہے، لیکن اس کے باوجود حکیم صاحب نے اس کا افتتاح عرب لیگ کے سکرٹری مقیم نئی دہلی سے کرایا جو عرب عیسائی تھے اگرچہ اُن کا نام بالکل مسلمانوں جیسا تھا، گویا شیخ رفاعی کے پہلو میں مولانا جلال الدین رومی کا سوز و گداز عشق سے لبریز وہ دل نہیں ہے جس نے اُن سے کہلوایا تھا:-

چہ خوش باشد کہ سرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مولانا سید ابوبکر غزنوی اس مقالہ کے بعد متعدد مقالات ہوئے، اُن میں ایک مقالہ مولانا سید ابوبکر غزنوی کا بھی تھا، مولانا تحریکِ خلافت کے مشہور لیڈر مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، خود نہایت فاضل، پرجوش خطیب اور بڑے جذبہ کے مسلمان تھے، علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد ایم۔ اے بھی کیا تھا، ۱۹۷۵ء میں جب میں پاکستان گیا تھا تو ایک دن کراچی کی شام ہمدرد میں اسلامی معاشیات پر اُن کی تقریر سنی اور اس کے بعد اُن سے ملاقات ہوئی تو چونکہ برہان کے ذریعہ پہلے سے واقف تھے اس لئے بڑے تپاک اور محبت سے ملے اُس زمانہ میں یہ کسی گورنمنٹ کالج میں شعبۂ اسلامیات کے صدر تھے، پھر جس صبح کو میں لاہور سے وطن کے لئے روانہ ہونے والا تھا اور اس کی شب میں عزیزی میاں اسلم نے اپنے مکان پر میرے لئے ایک پرتکلف الوداعی ڈنر کا اہتمام کیا تھا جس میں لاہور کے تقریباً سب ہی میرے دوست احباب جمع تھے اُن میں مولانا سید ابوبکر غزنوی بھی تھے، اس کے بعد اب کانفرنس میں اُن سے پھر ملاقات ہوئی تو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اب وہ جامعۂ عباسیہ، بہاول پور کے وائس چانسلر ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسب معمول بڑے تپاک سے ملے، دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، صحت بہت اچھی تھی، چہرہ پر بڑی رونق اور توانائی تھی، اور مرض کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اپریل کے ماہنامہ الرشید لاہور میں اچانک ان کی وفات کی خبر پڑھی تو سخت صدمہ ہوا، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ۔

مولانا مرحوم کے علاوہ مقالہ پڑھنے والوں میں، چودھری نذیر احمد خان، پاکستان ڈاکٹر اسماعیل بامک (آسٹریا) مولوی ایم۔ ایچ بابو (سنگاپور) ڈاکٹر امان اللہ اور مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی (پاکستان) بھی تھے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال | دوسرے دن یعنی ۷ مارچ کو سردار محمد اقبال چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ کی صدارت میں کانفرنس کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے ڈاکٹر جاوید اقبال کا نہایت شاندار پر مغز اور فکر انگیز مقالہ ہوا، جاوید علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں اور ناک نقشہ ڈیل ڈول اور رنگ میں اپنے والد سے بڑے مشابہ ہیں، ان کو دیکھتے ہی مجھ کو وہ زمانہ یاد آگیا جب جاوید اور اُن کی بہن منیرہ علامہ اقبال کے پاس کھیلا کرتے تھے، اس وقت ان کی عمر پانچ چھ برس کی ہوگی، علامہ کو ان دونوں بچوں سے بڑی محبت تھی اور انھیں کے لئے انھوں نے جاوید منزل کے نام سے کوٹھی بنائی تھی، اس کوٹھی میں علامہ کے حصّہ میں ایک کمرہ آیا تھا جو نہایت سادہ اور اعلیٰ فرنیچر سے معرا تھا، ایک اسپرنگ دار مسہری تھی، علامہ اُسی پر بیٹھے اُچھلتے اور حقہ گڑگڑاتے رہتے تھے، اسی میں آنے جانے والوں کے لئے کچھ کرسیاں اور کچھ مونڈھے پڑے رہتے تھے ڈاکٹر جاوید اقبال نے پہلے انگریزی اور فلسفہ میں الگ الگ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا، پھر کیمبرج سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور لندن سے بار۔ ایٹ۔ لا ہوئے، بڑی خوشی کی یہ بات ہے کہ اسلامی حمیت و غیرت اور جذبۂ و جوش ایمانی میں اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِيهِ کا مصداق ہیں، آج کل لاہور ہائی کورٹ میں جج ہیں، ۱۹۶۹ء میں جب میں پاکستان گیا تھا تو اُس وقت ایوب خان مرحوم کی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختم ہو چکی تھی اور جماعت اسلامی اور کمیونسٹ گروپ میں سخت جنگ برپا تھی، کمیونسٹ طبقہ علامہ اقبال کو بھی کمیونسٹ ثابت کرنے کی قسم کھائے بیٹھا تھا اور انگریزی اور اُردو میں اُن کے مضامین نکل رہے تھے، اس وقت سب سے زیادہ پامردی اور جوش کے ساتھ انگریزی میں جو شخص اس طبقہ کے مزعومات کے خلاف مسلسل لکھ رہا تھا وہ جاوید اقبال تھے، انھیں دنوں آغا شورش کاشمیری مرحوم اور شیخ محمد اشرف، مشہور پبلیشر و ناشر کتب نے میرے اعزاز میں جو نہایت شاندار ڈنر دیے تھے ان دونوں میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ڈاکٹر جاوید اقبال بھی موجود تھے اور یہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے مذکورۂ بالا مضامین کے اخباری تراشے مجھے بھی دیے تھے، جنھیں میں نے بڑے شوق سے پڑھا تھا۔

ان کے اس وقت کے مقالہ کا عنوان تھا: "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور جدید انسان"، اس میں انھوں نے پہلے یورپ اور امریکہ میں صنعتی اور معاشی انقلاب کے وجوہ و اسباب، اس انقلاب کے تہذیبی اور معاشرتی نتائج و ثمرات اور اُن کے باعث اعلیٰ اقدارِ حیات کی پامالی کا ذکر کیا اور اُس کے بعد کہا: دنیا کے موجودہ معاشی بحران میں جدید انسان (MODERN MAN) نہیں، بلکہ اخلاقی انسان (MORAL MAN) ہی دنیا کو اُس بربادی اور تباہی سے بچا سکتا ہے جس کے کنارے وہ اس وقت کھڑی ہے، تہذیب جدید نے انسان میں یہ زعم پیدا کیا تھا کہ وہ اپنی تقدیر کا مالک ہے، لیکن اس وقت انرجی کرائسس، اشیا کی گرانی اور پھر یہ اندیشہ کہ ایک صدی کے اندر اندر عالمی طاقت کے تمام ذرائع ختم ہو جائیں گے ان سب نے مل جل کر جدید مفکرین عالم میں ایک فکری رجحان یہ پیدا کیا ہے کہ اب تک ہم نے انسانی ترقی کا انحصار جن چیزوں پر رکھا تھا وہ غلط تھا اور ہمارا یہ سمجھنا بھی درست نہیں تھا کہ انسان اپنی تقدیر کا مالک ہے:" یہ حضرات اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ ترقی یافتہ ملکوں میں ٹکنالوجی کو جو غیر معمولی ترقی ہوئی ہے اُس نے مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرنے کے اسباب کے بجائے قتل عام کے اسباب زیادہ پیدا کئے ہیں اور اب ان ملکوں کے پاس کوئی سماجی نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا نہیں ہے جو اس احساسِ شکست سے اُن کو محفوظ رکھ سکے۔

اس کے بعد انھوں نے کہا: قرآن کی دعوت دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہے اور اسلام کا کام ہی ہے انسان کے لئے حقیقی مسرت اور اطمینان کا سروسامان کرنا، یونانی سمجھتے تھے کہ مسرت کا حصول صرف اس دنیا میں ممکن ہے۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ دنیا ناپاک اور نجس ہے اور مسرت صرف عالم آخرت میں حاصل ہو سکتی ہے، ان دونوں کے برخلاف اسلام نے دوگانہ مسرت کا نظریہ پیش کیا، اُس نے اُن عالمگیر اخلاقی اصولوں کو پیش کیا جن کے قبول کر لینے سے انسان کو یہاں اور وہاں دونوں عالموں میں مسرت حاصل ہونی یقینی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق اور کردار سے جو نمونہ عمل قائم کیا تھا وہ ساری دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ بن سکتا ہے، لین دین کا معاملہ ہو، خوشی اور مسرت کا موقع ہو یا غم اور حزن وملال کا، فتح ہو یا شکست، جنگ ہو یا امن، دوستوں سے سابقہ ہو یا دشمنوں سے، فاقہ کشی ہو یا خوش حالی، غرض کہ زندگی کے ہر موڑ پر، ہر حالت اور ہر موقع پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اعلیٰ کردار اور اخلاق، یعنی طہارتِ نفس، امانت ودیانت، بے غرضی و بے نفسی، عہد کی پابندی (قیام علی الحق، صبر و ثبات، استقلال و پامردگی، اعلیٰ ہمتی و بلند حوصلگی، پاکبازی و عفت ارادہ و عمل کا مظاہرہ کیا ہے اور جس سے دنیا کی کایا پلٹ کردی، زندگی ایک خارزار تھی اُسے چمن بنا دیا، جن ویرانوں میں خاک اڑ رہی تھی ان میں لالہ و گل کھلا دئے، جو رو رہے تھے انھیں ہنسا دیا، جو درد و کرب کے مارے کراہ رہے تھے انھیں تندرست و توانا کر دیا، جو ضعف اور کمزوری کے باعث دو قدم نہیں چل سکتے تھے انھیں دوڑنا سکھا دیا، اور جو اپنے گھروں اور رشتہ داروں میں چین اور سکھ سے نہیں رہ سکتے تھے انھیں دشمنوں کے ساتھ گذارہ کرنے کے گُر اور ڈھنگ بتا دیئے[1]) ——— یہ وہ اعلیٰ اخلاق اور کردار ہیں جن کی پیروی آج دنیا کو اس قیامت سے محفوظ رکھ سکتی ہے

[1] قوسین میں جو عبارت ہے وہ میری اپنی ہے، "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اُس کے سر پر منڈلا رہی ہے، اس کے بعد ڈاکٹر جاوید اقبال نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اخلاق جو کچھ بھی تھے اُس کا آئینہ قرآن مجید ہے (حضرت عائشہ نے فرمایا: وَکَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ) اور قرآن ایک زندہ کتاب ہے۔ ساری دنیا کے لئے ہے، ہر شخص اُس کو سمجھ سکتا اور اُس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔" یہ سب کچھ کہنے کے بعد ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب نے اپنا مقالہ اس پر ختم کیا: "پس آج دنیا کو ضرورت ماڈرن مین کی نہیں بلکہ مورل مین (Moral Man) کی ہے۔

مسٹر بھٹو پر اس تقریر کا ردعمل | اس مقالہ پر مختلف تبصرے ہوئے، امام حرم کعبہ شیخ عبداللہ بن سبیل نے کہا:۔ آج دنیا کو جو مسائل درپیش ہیں صرف اسلام ہی اُن کا حل پیش کر سکتا ہے اور مسرت صرف ایمان کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔" کویت کے وزیر اوقاف و امور دینیہ شیخ عبداللہ ابراہیم المفرج نے کہا: ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی موجودہ نسل کو حقیقی معنی میں اسلامی روح سے بھرپور اور سچے اسلامی معاشرہ میں تبدیل کریں، پہلے ہمیں خود اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیئے، تب ہی ہم دنیا سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اُس کی سب مشکلات کا حل ہے۔" شیخ حسن خالد مفتی اعظم لبنان نے بھی یہی بات کہی، لیکن معلوم نہیں وزیر اعظم مسٹر بھٹو کو یہ تقریر کن لفظوں میں پہنچی، اُن پر اُس کا اثر یہ ہوا کہ مقرر نے ماڈرن مین کی نفی کر کے سائنس اور ٹکنالوجی کی موجودہ ترقیات اور اُن کی افادیت و اہمیت سے انکار کر دیا اور صرف اخلاق پر زور دیا ہے چنانچہ کراچی میں اپنے شاندار استقبالیہ میں (جس کا تذکرہ آگے اپنے موقع پر آئیگا) مسٹر بھٹو نے جو ایک طویل تقریر کی اس میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا نام لیئے بغیر انہوں نے حسب عادت بڑے زور سے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لاہور کے اجلاس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہمیں ماڈرن مین کی ضرورت نہیں بلکہ مورل مین کی ہے" میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے، بلکہ ہم کو درحقیقت ضرورت Modern man cum moral man کی ہے، یعنی ایسا انسان جو بیک وقت ماڈرن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہو اور مورل بھی،

یہ مقالہ میں نے از اول تا آخر بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنا تھا اس لئے اچانک مسٹر بھٹو کا یہ ریمارک جسے انگریزی میں (Mysterious) (پراسرار) کہنا چاہیے سنا تو تعجب ہوا لیکن پھر معاً خیال آیا کہ آج کل پاکستان میں نظریاتی اختلافات بہت زیادہ ہیں، اُن کی وجہ سے ایک دوسرے سے بدگمانی عام ہے، اس بنا پر ممکن ہے فکری اور نظریاتی اعتبار سے ڈاکٹر جاوید اقبال کا رجحان یا تعلق کسی ایسی جماعت کے ساتھ ہو جسے مسٹر بھٹو پسند نہ کرتے ہوں (اور ممکن ہے یہ جماعت جماعت اسلامی ہو) اس بنا پر مسٹر بھٹو جو پاکستان کو ایک اعلیٰ درجہ کی ماڈرن اسٹیٹ بنانے کی غرض سے سائنس، ٹکنالوجی، اور سوشلزم پر بہت زور دے رہے ہیں اور ہر تقریر میں اس کا اظہار کر رہے ہیں انھوں نے ڈاکٹر جاوید اقبال کے مقالہ کو خود اپنے اوپر اور اپنی پالیسی پر ایک بالواسطہ حملہ (Indirect Hit) خیال کیا اور اس لئے وہ ریمارک کر گئے، ممکن ہے اس کے بعد ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی صفائی کی ہو اور اس پر مسٹر بھٹو نے جگر کے الفاظ میں معذرت کی ہو:-

خطا معاف! زمانہ سے بدگمان ہو کر تری وفا پہ بھی کیا کیا ہمیں گماں گذرے

قرآن اور تصوف

مؤلفہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب مرحوم

تصوف اور اُس کی تعلیم کا اصل مقصد عبدیت اور الوہیت کے مقامات کا تعلق اور اُن کے ربط و تعلق کا حصول ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ مختلف قسم کی ذلتوں کا سرچشمہ بن کر رہ گیا ہے۔ مؤلف نے کتاب و سنت کی روشنی میں تمام الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت دل نشین اور عالمانہ پیرایہ میں واضح کیا ہے۔ صفحات ۱۸۰، تقطیع متوسط، طبع آفسٹ، قیمت /5 مجلد 8 پتہ:- ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی

© rasailojaraid.com